ایڈورڈ سعید اور ''شرق شناسی''

ڈاکٹر ثوبیہ طاہر، چیئر پرسن شعبہ فلسفہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر الماس خانم، اسسٹنٹ پروفیسر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Edward Said had a multifaceted personality.He was a Palestinian by birth. He joined Columbia University as a Professor after completing his education at Harvard. He was a prolific writer having more than 20 published books on his credit.His magnum opus is "Orientalism" of which the main theme is Post-colonialism.Edward Said has discussed Post -colonialism from every possible angle in this work. In the paper under consideration, Said's Post-colonial Theory has been highlighted. His views and research regarding Post-colonialism make the crux of this paper.West has always seen and presented East in a specific biased manner; Edward Said revealed it in Orientalism at length .The same has been expounded in this paper.

'ایڈورڈ'' عیسائیت کا علمبردار ہے جبکہ ''سعید'' اسلام کا۔ ''ایڈورڈ'' مغرب کا آئینہ دار ہے جبکہ ''سعید'' مشرقیت کا۔ ایڈورڈ سعید کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی تمام تر زندگی مشرق اور مغرب کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ ان کی جائے پیدائش سرزمینِ فلسطین تھی ، وہ نومبر ۱۹۳۵ میں یروشلم میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد واڈیر سعید کاروباری شخصیت تھے جو کہ فوج میں ملازم رہ چکے تھے جبکہ والدہ ہلڈا سعید گھریلو خاتون تھیں۔ ابتدائی تعلیم یروشلم اور قاہرہ میں حاصل کی۔ ۱۹۵۷ میں پرنسٹن یونیورسٹی سے بیچلر کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں مزید تعلیم کے حصول کے لیے ہارورڈ یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۶۰ میں ایم۔اے اور ۱۹۶۴ میں فلسفہ میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اوائل عمری میں ہی انہیں انگریزی، فرانسیسی اور عربی زبانوں میں مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ ۱۹۶۳ میں انہوں نے اپنی پروفیشنل زندگی کا آغاز کولمبیا یونیورسٹی سے کیا اور درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہو گئے اور تمام عمر اسی شعبے اور ادارے سے وابستہ رہے۔ عمر کا آخری حصہ موذی مرض کینسر سے نبرد آزما رہے اور بالآخر اس بیماری سے ۱۲ سال لڑنے کے بعد ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳ کو ۶۷ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ بریٹینیکا میں ایڈورڈ سعید کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

"Edward Said, in full Edward Wadie Said, sometimes Edward William Said (born November 1, 1935, Jerusalem—died

September 25, 2003, New York, New York, U.S.), Palestinian American academic, political activist, and literary critic who examined literature in light of social and cultural politics and was an outspoken proponent of the political rights of the Palestinian people and the creation of an independent Palestinian state"(1).

ایڈورڈ سعید نے ۲۰۰ سے زائد یونیورسٹیوں میں مختلف موضوعات پر لیکچرز دیے۔ ادب، ثقافت، سیاست اور موسیقی ان کے دلچسپی کے میدان تھے۔ایڈورڈ سعید کی کل کتابوں کی تعداد قریباً ۲۰ ہے جن میں سے بیشتر انہیں موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ان کی اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

1. Joseph Conrad and the Fiction of Autobiography (1960)
2. Beginnings: Intention and Method (1974)
3. Orientalism (1977) 4. The Politics of Dispossession(1981)
5. The World, the Text, and the Critic (1983)
6. Nationalism, Colonialism, and Literature: Yeats and Decolonization (1988)
7. Musical Elaborations (1991)
8. Culture and Imperialism (1993) (1994) 9. Out of Place
10. Representations of the Intellectual: The 1993 Reith Lectures (1994)
11. Reflections On Exile(2001)
12. Humanism and Democratic Criticism (2004)
13. On Late Style (2006)

ایڈورڈ سعید کی کتابوں میں سے جس کتاب کو دنیا میں سب سے زیادہ پذیرائی اور شہرت حاصل ہوئی وہ ''Orientalism'' ہے۔اس کتاب کو بیسویں صدی کی طاقتور ترین کتاب کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے دنیا کی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ بریٹینیکا میں اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے کہ:

" in 1978 published Orientalism, his best-known work and one of the most influential scholarly books of the 20th

century. In it Said examined Western scholarship of the "Orient," specifically of the Arab Islamic world (though he was an Arab Christian), and argued that early scholarship by Westerners in that region was biased and projected a false and stereotyped vision of "otherness" on the Islamic world that facilitated and supported Western colonial policy."(2)

اس کتاب کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اردو میں محمد عباس نے اس کا ترجمہ ''شرق شناسی'' کے نام سے کیا ہے۔ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر فتح محمد ملک ''پیش لفظ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ایڈورڈ سعید (۱۹۳۵ء۔۔۔۲۰۰۳ء) عہدِ حاضر کے چند نامور ترین دانشوروں میں سے ایک تھے۔ ادب، کلچر، سیاست اور موسیقی سے متعلق جیتے جاگتے موضوعات پر ان کی بیس کتابیں شائع ہوئیں جن کا دنیا کی تیس سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ ہنگامہ خیز کتاب شرق شناسی۔۔۔'اوریئنٹلزم' ہے۔ اس عہد آفرین کتاب میں مغربی سامراج کے سائے میں پنپنے والے اوریئنٹلزم کا حقیقت افروز تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ سعید مغربی علوم کی اس شاخ کو مغرب کی سامراجی توسیع پسندی کا آلئہ کار قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب نے مشرق پر غلبہ حاصل کرنے اور اپنے اس غلبے کو دوام بخشنے کی خاطر یہ علم ایجاد کیا تھا۔''(۳)

ایڈورڈ سعید کی اس کتاب کا موضوع ''نوآبادیاتی نظام'' اور ''مابعد نوآبادیاتی نظام'' ہے۔ اس کتاب نے فکری و علمی حلقوں میں تہلکہ سا مچا دیا۔ ایسا نہیں تھا کہ یہ کتاب اس موضوع پر پہلی کتاب تھی یا یہ کہ ایڈورڈ سعید اس نظام کے پہلے نقاد تھے۔ بات صرف یہ تھی کہ ایڈورڈ سعید نے کمال مہارت سے مغرب کے چہرے سے یوں نقاب سرکایا تھا جیسے کہ پیاز کی پرتیں ایک کے بعد ایک کر کے اتاری جاتی ہیں۔ اس ''نقاب کشائی'' نے بہت سے دھندلے مناظر کو واضح کر دیا تھا۔ بہت سے معاملات تاریکی سے نکل کر چکا چوند میں آ گئے تھے۔ ایڈورڈ سعید نے ایک ماہر سرجن کی طرح ''نوآبادیاتی'' نظام کی رگوں میں نشتر اتارے تھے جس کے نتیجے میں کہیں تو ''نوآبادیاتی نظام'' کا شکار ہونے والوں کے زخموں پر مرہم لگا اور کہیں ''نوآبادیاتی نظام'' کی بنیادیں رکھنے والوں اور اس کو وسعت عطا کرنے والوں کے ناسور پھوٹ بہے۔ اس کتاب کی حمایت اور مخالفت میں زبردست ردِ عمل سامنے آیا۔ اس کتاب نے نئے مباحث کو جنم دیا۔ ''نوآبادیاتی نظام'' کے مطالعہ کو نئے زاویے بخشے اور ایک معتبر حوالے کے طور پر قبولِ عام پا گئی۔ اس ضمن میں:

''Postcolonial تنقید کی ابتدا باضابطہ طور پر سعید کی اسی کتاب کے ساتھ ہوئی اور آج یہ ایک معتبر حوالے کے طور پر ہمارے کام آتی ہے۔ یہ کتاب اس بات کا اعلان ہے کہ نہ صرف ماضی کی بازیافت ضروری ہے بلکہ اس Colonial آئیڈیولوجی کو بھی توڑنا ضروری ہے جس نے اس ماضی کی مسخ شدہ

تصویر پیش کی ہے۔ سعید کی کتاب یورپی/مغربی مرکزیت کی نفی کرتی ہے کیوں کہ اس تصور میں مغرب کو اعلا اور مشرق کو ادنا دکھایا گیا ہے۔ چوں کہ یوروپی/مغربی تصور میں مشرق محض ایک قائم مقام کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس تصور کی خامیوں کو بے نقاب کیا جائے۔''(۴)

ایڈورڈ سعید نے اپنی کتاب کی ابتدا میں ''تعارف'' کے عنوان کے تحت ''شرق شناسی'' پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس کا آغاز مشرق اور مغرب کے تعلقات کی وضاحت سے کیا ہے۔ ان کے خیال میں ''مشرق، یورپ کی مادی تہذیب، تمدن اور ثقافت کا ایک لازمی حصہ ہے کیونکہ شرق شناسی کا اظہار اور اس کی نمائندگی یورپ کے تہذیب وتمدن اور اندازِ فکر میں ہوتی ہے''۔(۵) شرق شناسی کا دائرہ خاصا وسیع ہے اور کئی معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے جدا کر کے دیکھنا ممکن ہی نہیں۔ شرق شناسی کی ایک عام اور سادہ تعریف تو یہ ہے جس کی طرف ایڈورڈ سعید نے اشارہ کیا ہے کہ جو کوئی مشرق کے بارے میں لکھتا، پڑھتا یا اس پر تحقیق کرتا ہے خواہ اس کا دائرہ کوئی بھی ہو وہ شرق شناس ہی کہلائے گا اور اسی مناسبت سے اس کا کام شرق شناسی کہلائے گا۔(۶) لیکن ایڈورڈ سعید کے خیال میں ''شرق شناسی، مشرق پر مغرب کی حکمرانی اور اختیار رکھنے کے لیے اختیار کردہ ایک تشکیل ہے۔''(۷) یہ ایک نظام کی صورت میں وجود میں آئی ہے اور مربوط اور منظم انداز میں اپنا کام کرتی اور طریقہ کار وضع کرتی ہے۔ ایڈورڈ سعید نے ''شرق شناسی'' کی جامع تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ''شرق شناسی کوئی ہوائی چیز یا مشرق کے بارے میں یورپی تخیل کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ یہ نظریاتی اور مستقل کام ہے جس کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت شروع کیا گیا ہے اور جس میں نسل در نسل سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ اس سرمایہ کاری نے شرق شناسی کو ایک نظامِ علم بنا دیا ہے۔ اب یہ ایک ایسا مربوط اور مقبول نظام ہے جس سے مشرق کے بارے میں علم اور معلومات کو چھان پھٹک کر مغرب کے شعور میں پہنچایا جاتا ہے۔ جس طرح شرق شناسی میں سرمایہ کاری نے فی الواقع مشرق سے متعلق تمام مشاہدات اور نظریات کو نتیجہ خیز بنایا ہے، ٹھیک اسی طرح شرق شناسی کے نتائج یورپ کے عام تمدن میں سرایت کر گئے ہیں۔''(۸)

ایڈورڈ سعید نے ''شرق شناسی'' کو درج ذیل تین ابواب میں منقسم کیا ہے:۔

۱۔ شرق شناسی کی وسعت The Scope of Orientalism

۲۔ شرق شناسی تشکیلات اور تشکیلاتِ جدید Orientalist Structures and Restructures

۳۔ عصرِ حاضر میں شرق شناسی Orientalismm Now

''شرق شناسی کی وسعت'' کی مزید وضاحت کے لیے اس باب کو چار ذیلی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جو کہ مشرق کا ادراک، تصوراتی جغرافیہ اور اس کی نمائندگی: مشرقیت کی تجسیم، منصوبے اور بحران ہیں۔ ایڈورڈ سعید نے بحث کا آغاز آرتھر جیمز بالفور کی اس تقریر سے کیا ہے جو اس نے برطانیہ کے دار العلوم میں بعنوان ''وہ مسائل جو ہمیں مصر میں درپیش

ہیں'' کی تھی۔یہ وہ تقریر ہے جس میں بالفور مصر میں نوآبادیاتی افسران کا نمائندہ بن کر بات کرتا ہے اور خود کو ممتاز اور طاقتور ہستی کی حیثیت سے متعارف کراتا ہے جس کا اظہار ''ہم'' کے صیغہ سے ہوتا ہے۔ایڈورڈ سعید اس ضمن میں لکھتا ہے:

''پُر جوش خطابت کے لحاظ سے بالفور کی تقریر اس لیے اہم ہے کہ اس میں وہ خاص طریقے سے مختلف کرداروں کی نمائندگی کرتا ہے۔اس میں 'انگریز' ہیں جن کے لیے 'ہم' کا صیغہ اس پورے وزن کے ساتھ جو ایک ممتاز اور طاقتور آدمی کا ہوتا ہے اور جو اپنی قومی تاریخ میں اپنے آپ کو بہترین عناصر کا نمائندہ خیال کرتے ہیں،استعمال کیا جاتا ہے''(۹)

مشرق کے ادراک کے ضمن میں ایڈورڈ سعید نے دوسری مثال کرومر کے مضمون اور کتاب سے دی ہے۔کرومر نوآبادیات کا ایک مضبوط کردار تھا۔وہ ہندوستان کے ''غلاموں'' پر حکومت کرنے والوں کا ایک اہم نمائندہ تھا جس نے بعد ازاں مصر میں بھی سلطنتِ برطانیہ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور قونصل جنرل کے عہدہ پر فائز ہوا۔وہ مصری قوم پرستی کا شدید مخالف تھا۔اس حوالے سے اس کی کتاب ''Modern Egypt'' خاص اہمیت کی حامل ہے۔بالفور اور کرومر نے مشرق اور مغرب کے تعلق اور اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب کے درمیان حدِ فاصل کی جو تصویر کھینچی ہے اس کی وضاحت ایڈورڈ سعید نے ان الفاظ میں کی ہے:

''اس تعلق کے اظہار کے لیے بہت سی اصطلاحات مستعمل تھیں۔بالفور اور کرومر نے خاص معنی خیز انداز میں ان کا استعمال کیا۔مشرق کا آدمی غیر منطقی،گرا پڑا،بچوں جیسا اور 'مختلف' ہے جبکہ یورپ کا انسان منطقی،نیک،بالغ نظر اور 'متوازن' ہے۔۔۔مشرق کے بارے میں علم چونکہ طاقت کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا،اس لیے مغرب ایک معنی میں مشرقی انساان اور اس کی دنیا کی تخلیق کرتا ہے۔کرومر اور بالفور کی زبان استعمال کی جائے تو مشرقی انسان کو اس طرح دنیا کے سامنے پیش اور منعکس کیا جاتا ہے جس طرح کسی کو قانونی عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔۔۔یا ایسے آدمی کے طور پر سامنے لایا جاتا ہے جس کو قوانین کی پابندی سکھائی جاتی ہے (جس طرح جیل یا سکول میں ہوتا ہے) یا پھر جیسے کسی چیز کی نمائش کی جاتی ہے یا کسی چیز کو تصویر کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے (جیسا کہ کسی چڑیا گھر کے کتابچہ میں ہوتا ہے)''۔(۱۰)

مشرق کے ادراک کا یہ طریقہ کار صدیوں پہلے بھی رائج تھا اور آج بھی رائج ہے۔اس باب کا خاتمہ ایڈورڈ سعید چند سوالات پر کرتا ہے جو کہ بالفور،کرومر اور کسنجر کے نظریات کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں کہ کون سی مہارت کی ہنرمندی ہے؟ کون سے خیالی دباؤ؟ کون سے ادارے اور روایات ہیں؟ کون سی تمدنی طاقتیں ہیں جو (مشرق کے بارے میں) بیانات اور نظریات میں ایسی یک رنگی پیدا کرتے ہیں جو کرومر،بالفور اور ہمارے ہمعصر سیاست دانوں کی باتوں میں پائی جاتی ہے؟(۱۱) ایڈورڈ سعید نے ان سوالات کے جوابات ''تصوراتی جغرافیہ اور اس کی نمائندگی:مشرقیت کی تجسیم'' میں دینے کی سعی کی ہے۔اس کے لیے وہ شرق شناسی کی ابتدا کا کھوج لگاتے ہیں کہ عیسائی مغرب میں اس کا آغاز ویانا چرچ کونسل

منعقدہ ۱۳۱۲ء کے فیصلے سے ہوا جس کے مطابق پیرس، آکسفورڈ، بولونیہ، ایوگنان اور سلامانکا میں عربی، یونانی، عبرانی اور سریانی زبانوں کے شعبوں کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا جس کا مقصد مطالعہ اور تعلیم تھا (۱۲) گویا کہ شرق شناسی کا ایک اہم پہلو لسانی بھی تھا۔ اس کے علاوہ جن دیگر اکائیوں پر شرق شناسی کی بنیاد رکھی گئی وہ جغرافیائی، تمدنی اور نسلی تھے۔ ایڈورڈ سعید نے مشرق کے بارے میں مغرب کے تصورات کی وضاحت کے لیے مشرق کے متعلق دکھائے گئے دو اہم ڈراموں سے مثالیں پیش کی ہیں۔ یہ ڈرامے ''اہلِ ایران'' (The Persians) اور ''بکائے'' (Bacchae) ہیں۔ ان میں یہی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایشیا دشمن ہے اور یورپ فاتح ہے۔ ان ڈراموں میں پیش کیے گئے مشرق اور مغرب کے تصورات کے بارے میں ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں کہ:

> ''مشرق کے متعلق دکھائے گئے دونوں ڈراموں میں سامنے لائے گئے دو پہلوؤں نے جن سے مغرب میں مشرق پر کام کی ابتدا ہوئی، (مشرق کے) یورپی معروضی جغرافیہ کا تصور قائم کیا۔ دونوں برِ اعظموں (مشرق اور مغرب) کے درمیان ایک لکیر کھینچی جاتی ہے۔ یورپ طاقتور اور واضح ہے۔ ایشیا مفتوح اور دور سے دھندلا نظر آتا ہے۔۔۔ یہ یورپ ہی ہے جو مشرق کو واضح اور قابلِ فہم بناتا ہے اور ایسا کرنے کو وہ اپنا فطری حق سمجھتا ہے۔ یورپ یہ کام بطور پتلی نچانے والے کے نہیں کرتا بلکہ وہ پتلی کو اصلاً پیدا کرنے والا ہے جس کی (یورپ) زندگی بخش طاقت اس خاموش اور خطرناک (برِ اعظم) مشرق کی جو مانوس حدوں سے دور ہے، نمائندگی کرتی ہے۔'' (۱۳)

اس تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ پتلی تماشے کا یہی وہ کھیل ہے جو مشرق اور مغرب کے مابین صدیوں سے رائج ہے اور یورپ کے قائم کردہ اس اسٹیج سے ہر روز ایک نیا ڈرامہ جنم لیتا ہے جس کے تحت مغرب ہر لمحہ طاقت پکڑتا دکھائی دیتا ہے اور مشرق نحیف ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس باب کی اہم بحث وہ ہے جس کا تعلق اسلام سے ہے۔ ایڈورڈ سعید نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کا آبائی وطن فلسطین تھا۔ وہ عمر بھر فلسطین کی آزادی کے لیے متحرک رہے۔ ان کی تحریروں میں اسلام سے متعلق موضوعات نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ایڈورڈ سعید کے خیال میں مغرب نے مشرق کے بارے میں جس ذریعہ سے علم حاصل کیا وہ اسلام تھا۔ مشرق میں اسلام ایک غالب اور پروقار تحریک کے طور پر ظہور پذیر ہوا۔ صلیبی جنگوں نے مشرق کے بارے میں مواد تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ''اسی مواد سے خاص انداز کے خلاصے بنائے گئے جو سفر، تاریخ، فرضی قصوں اور بحث و مناظرہ کی شکل میں موجود ہیں۔ یہ وہ عدسے ہیں جن کو لگا کر مشرق پر تجربات کیے جاتے ہیں اور انھی سے زبان، خیالات اور مشرق و مغرب کے درمیان مجادلات متشکل ہوتے ہیں''۔ (۱۴) مغرب کے دل میں اسلام کے احترام کے بجائے ڈر اور خوف نے جنم لیا۔ اسلام، مغرب کے لیے خوف اور دہشت کی علامت کیونکر بنا اس کا ایڈورڈ سعید نے مختصر اور جامع جواب دیا ہے کہ ''یورپ کے لیے اسلام ایک مستقل صدمے کی حیثیت رکھتا ہے''۔ (۱۵) مغرب کے سامنے ہمیشہ اسلام کی ایک غلط شکل پیش کی گئی اور یہ سب ایک منظّم منصوبے کے تحت ہوا۔ اس تصویر کے تمام ترنقش واضح اور گہرے کرنے کی کوشش کی

گئی۔ یہ سب کچھ ڈرامائی انداز میں ہوا۔ اس کے تحت مغرب کے سامنے حضرت محمد ﷺ کو اجنبی بنا کر پیش کیا گیا۔ (۱۶) یہ سب کیوں کیا گیا؟ اس جواب ایڈورڈ سعید نے ان الفاظ میں دیا ہے:

''آخری بات یہ ہے کہ ایسی زمرہ بندیاں اس بات کو لازمی قرار دیتی ہیں یا ان کی ضرورت ہے کہ ان کے متقابل بھی کوئی چیز یا شخصیت ہو جو نہ تو ان سے متصف ہو اور نہ ہی ہمیشہ کے لیے واضح شناخت کی محتاج ہو اور مشرق اور اسلام کے معاملے میں یہ متقابل 'مغرب' ہے یا یسوع ہے۔'' (۱۷)

''منصوبے'' میں ایڈورڈ سعید یورپ کی مشرق کی طرف پیش قدمی کی ٹھوس شہادت کی تلاش کے لیے سرگرداں ہوتے ہیں۔ اس باب میں ان کی فکر کا مرکز اسلام اور ہندوستان ہیں۔ ''اسلام بلا شبہ یورپ کے لیے کئی لحاظ سے اشتعال کا سبب تھا''۔ (۱۸) اور ''ہندوستان کی دولت کے خزانوں تک پہنچنے کے لیے ہمیشہ اسلامی ممالک سے گزرنا پڑتا تھا اور اسلام کے خطرناک اثرات کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا''۔ (۱۹) اسی لیے یہاں تک رسائی کے لیے منصوبہ بندی کی گئی۔ ''پوری عیسائیت کے لیے اسلام ایک عسکری دشمنی کا مظہر تھا۔ ان خوفناک قسم کے مستقل نظریات او ر خیالات کے خاتمے کے لیے ضروری تھا کہ مشرق کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ پھر اس پر حملہ اور قبضہ ہو''۔ (۲۰) مشرق کو زیر کرنے سے قبل اس کو سمجھنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرنا ضروری تھا، ان کے لیے'' زرخیز'' ذہنوں کو منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت تھی اور ''شرق شناسی'' اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی۔ ان منصوبوں کا پردہ فاش کرتے ہوئے ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں کہ:

''بعد ازاں فاضل حضرات، سپاہی اور مصنفین جنھوں نے فراموش شدہ زبانوں، تواریخ، نسلوں اور تمدنوں کو ایک جگہ پر لانے کے لیے کھود نکالا تھا اور یہ کام جدید مشرقی محیط سے ماورا تھا، قدیم زبانوں، تواریخ، نسلوں اور تمدنوں کے سلسلے میں یہ کام مشرق کے بارے میں رائے قائم کرنا اور پھر اس پر حکمرانی کرنے کے لیے تھا۔ قدامت کو گرما گرم ماحول اور ہیولوں میں تبدیل کرنا تھا۔ مشرق کا لفظ فاضل لوگ استعمال کرتے تھے جو اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ جدید یورپ نے مشرق کو ابھی تک کیا خاص رنگ ڈھنگ دے رکھا تھا۔'' (۲۱)

مغرب نے مشرق کا یہ نقشہ جس ذریعہ سے اپنی ہر آنے والی نسل تک منتقل کیا وہ کتابیں تھیں۔ ایڈورڈ سعید نے ایسی کئی کتب کی نشاندہی کی ہے جن میں اسلام اور حضرت محمد ﷺ کو متنازع بنا کر پیش کیا گیا تھا۔ ''بحران'' میں ایڈورڈ سعید نے کتب کے دوررس اثرات کے امکانات کی وضاحت کی ہے کہ یہ مائیکلیٹ، رانکے، ٹوکویل اور برک ہارڈٹ جیسے مؤرخین تھے جنھوں نے ''خاص قسم کی کہانیوں'' کو جنم دیا۔ ان جیسے کئی لکھنے والوں کی تحریروں نے ایک بحران کو ڈرامائی شکل میں تقویت دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ ایڈورڈ سعید اپنی تحقیق کا مقصد ہی ان خیالات کے منابع کو منظرِ عام پر لانا قرار دیتے ہیں جو حقیقت حال تک رسائی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

باب دوم ''شرق شناسی تشکیلات اور تشکیلاتِ جدید'' کے ذیلی ابواب سرحدات اور مسائل کا از سرِ نو

تعین:لادینیت کا دین، ساسی اور رینان:منطقی علم الانسان اور لسانی تجربہ گاہ،مشرق میں قیام اور علمیت اور زائرین اور زیارتیں ہیں۔ایڈورڈ سعید نئے مباحث کا آغاز گستاو فلابرٹ کے مزاحیہ ناول''Bouvard et Pecuchet'' سے کرتے ہیں۔جس کے دو مرکزی کردار بوارڈ اور پیشوہٹ انسان کے مستقبل کو''تاریک'' اور''روشن'' دو مختلف پہلوؤں سے دیکھتے ہیں۔پیشوہٹ کو انسان کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے جبکہ بوارڈ کو روشن دکھائی دیتا ہے۔بوارڈ کو نظر آنے والی یہ روشنی وہ ہے جو یورپ کے بطن سے پھوٹ رہی ہے اور یورپ کو یہ حیاتِ نو ایشیا سے ملی ہے۔یہی وہ اثر انگیز رومانی خیال تھا جس نے یورپی لوگوں کو ہندوستان کے مطالعہ کی ترغیب دی۔ایڈورڈ سعید نے چار ایسے عناصر کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے شرق شناسی کی تشکیلات میں اہم کردار ادا کیا۔اس ضمن میں ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں کہ:

> ''چاروں عناصر جو میں نے بیان کیے ہیں یعنی توسیع، تاریخِ تصادم، ہمدردی اور درجہ بندی، یہ اٹھارویں صدی کی سوچ کے دھارے ہیں جن پر جدید شرق شناسی کی علمی اور اداراتی تشکیلات انحصار کرتی ہیں۔ان کے بغیر، جیسا کہ ہم ابھی معلوم کریں گے،شرق شناسی کا وجود نہ ہوتا۔اس کے علاوہ ان عناصر نے شرق شناسی کو عام طور پر اور اسلام کو خاص طور پر تنگ نظری، مذہبی نوعیت کی تحقیق اور تفتیش سے بچایا اور اس بنیاد ہی پر اس کو عیسائی مغرب میں پرکھا اور کھنگالا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں جدید شرق شناسی تمدن یورپ کے اٹھارویں صدی کے لادینی ماحول پیدا کرنے والے عناصر سے پیدا ہوا''(۲۲)

شرق شناسی میں''لسانی تجربہ گاہ'' کی کیا اہمیت ہے۔کس طرح کسی گمشدہ اور مردہ زبان کو زندہ کر کے غفلت کا شکار مشرق کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی گئی؟ اس کے کیا دور رس اثرات مرتب ہوئے اور اس کی افادیت کیا رہی؟ ان سوالات کے جوابات''ساسی اور رینان:منطقی علم الانسان اور لسانی تجربہ گاہ'' میں ملتے ہیں۔ایڈورڈ سعید نے پہلی مثال سلوسٹر ڈی ساسی کی زندگی سے دی ہے۔وہ عربی،عبرانی اور سریانی پر عبور رکھتا تھا۔اس نے خاص طور سے عربی زبان کے ذریعہ مشرق تک رسائی حاصل کی اور ضابطہ کے مطابق تیار شدہ متون،تحریروں اور کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ شرق شناسی کو دیا۔(۲۳)اس کے نظریات اور تحریروں نے خاص طور سے نئے اذہان کو اپنی گرفت میں لیا۔وہ اپنی ہر بات کی بنیاد دلیل پر رکھتا تھا اسی لیے جدید سائنسی ذہنوں کے لیے اس کی باتیں سحر انگیز تھیں۔''ساسی نے عربوں کو'مشرق' میں جگہ دی۔وہ بابائے شرق شناسی تھا''۔(۲۴)ساسی کے مقابل جس ماہرِ لسانیات نے شرق شناسی میں قدم جمائے وہ رینان تھا۔''رینان کا کارنامہ تھا کہ اس نے مشرق کو جدید ترین شعبہ ہائے علوم سے مربوط کر دیا جن میں سے لسانیات،اہم شعبوں میں سے ایک شعبہ تھا''۔(۲۵)لسانیات کے شعبہ نے شرق شناسی میں کلیدی کردار ادا کیا اور اسے اہم تکنیکی مہارتیں فراہم کیں۔رینان نے اس نظریے کی بنیاد رکھی کہ''جدید ذہن کی بنیاد رکھنے والے ماہرینِ لسانیات ہیں''۔(۲۶)

اس نے لسانیات کی ایک تجربہ گاہ قائم کی جہاں سے وہ بیانات جاری کرتا اسے امید تھی کہ لسانیاتی مشرق

سائنس اپنے ساتھ آزادی لائے گی۔اس باب کے خاتمہ پر ایڈورڈ سعید نے اسی سے متعلق سوال اٹھایا ہے کہ''کیا اس آزادی نے شرق شناسی اوراس کے مسلمہ انسانی مواد(جو بالآخر طاقت اور غیر وابستہ غیر جانبداری پر نہیں) کے درمیان ایک پر پیچ تعلق قائم کیا یا نہیں؟''(۲۷)ایڈورڈ سعید کی تحقیق اسی سوال کے جواب کی تلاش کے لیے اگلے باب''مشرق میں قیام اور علمیت'' کی طرف اپنے قدم بڑھاتی ہے۔وہ مختلف مفکرین اور نظریہ ساز ہستیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہیں اوراس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شرق شناسی کی وجہ سے مشرق کے بارے میں علم،مغرب کے گھر کی لونڈی بن گیا اوراس علم کو باقاعدگی سے روشناس کرایا گیا تاکہ مغرب،مشرق کے بارے میں ترجمان کی ضرورت سے بے نیاز ہو جائے۔اس کام کو سائنسی انداز میں انجام تک پہنچایا گیا۔

''زائرین اور زیارتیں''اس حوالہ سے خاص اہمیت کا حامل باب ہے کہ اس میں مشرق کی طرف سفر کرنے والے یورپین زائرین کی ذہنیت اور مقاصد کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔''ہر زائر چیزوں کو اپنے طریقے سے دیکھتا ہے''(۲۸)اور دنیا کو بھی وہ سب کچھ اپنی نظر سے ہی دکھانے کی سعی کرتا ہے۔اگر دنیا کسی زیارت تک،زائر کی تحریر کے ذریعے رسائی حاصل کرتی ہے تو غالب نکتہ نظر اور زاویہ نگاہ زائر ہی کا ہوتا ہے۔اس ضمن میں ایڈورڈ ایک اہم سوال یہ اٹھاتے ہیں کہ''زیارت یا سفر کن مقاصد کے لیے ہے یا اس کی شکل وصورت کیا ہوگی اور کون سے حقائق سے یہ سفر پردہ اٹھائے گا۔اس کی بھی کچھ حدود ہیں۔تمام زائرین کو بائبل کی سرزمینوں سے گزر کر جانا ہوتا تھا۔ان میں سے بہت زیادہ صورتوں میں مقصد یا توسیع وعریض اور مضبوط مشرق سے ان زمینوں کو آزاد کرانا یا ان کو دوبارہ زندہ کرنا ہوتا تھا''۔(۲۹)۔اس سب کے تحت شرق شناسی کے ذریعے دنیا کو وہی دکھایا اور بتایا گیا جو پہلے سے طے شدہ تھا۔زیادہ تر زائر مشرق کی طرف عجیب وغریب اشیا کی تلاش کے لیے آتے تھے اوران کو مزید عجیب وغریب بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اوراس پیشکش کا اہم ذریعہ ان زائرین کی تصانیف تھیں۔انہیں سے شرق شناسی کی قسمت وابستہ ہوتی تھی۔یہ تصانیف دراصل مشرق کی طرف کھلنے والا روزن تھیں۔گویا کہ اس روزن سے جو نظر آتا وہی اصل حقیقت تھا باقی جو نظروں سے اوجھل تھا اور جسے دکھانا مقاصد میں شامل نہ ہوتا تھا وہ آج بھی نظروں سے اوجھل ہی ہے۔ایڈورڈ انیسویں صدی کی شرق شناسی کو بیسویں صدی کے لیے میراث قرار دیتے ہوئے یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ''شرق شناسی کو مکمل طور پر کیسے رسمی اور سرکاری بنایا گیا اور بار باراس کے مثنی پیدا کیے گئے۔(۳۰)اگر''شرق شناسی'' کے پہلے دو ابواب کا جائزہ لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان ابواب میں''عصرِ حاضر میں شرق شناسی'' کے لیے تمہید باندھی گئی ہے اور عصرِ حاضر کی شرق شناسی تک رسائی کے لیے پس منظر بیان کیا گیا ہے۔

''خوابیدہ اور بیدار''میں ایڈورڈ سعید''شرق شناسی'' کی ایک جامع تعریف کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ان کے نزدیک شرق شناسی کوئی مثبت نظریہ نہیں بلکہ ایک مؤثر علمی روایت ہے۔یہ ایک شعبہ ہے جو خاص مقاصد کے لیے قائم کیا گیا ہے۔اوراس کی بنیاد بہت سے یورپی لوگوں،سیاحوں،ناول نگاروں،مہم جوؤں،زائرین ،تاریخ کے ماہرین،فوجیوں،تاجروں اور علم کے شائقین کے تجربات اور مشاہدات پر ہے۔ایڈورد سعید شرق شناسی

کے بارے میں اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ:

''وہ مشرق جو شرق شناسی میں نظر آتا ہے، وہ مشرق کے تعلق سے مختلف خاکوں کا ایک نظام ہے جو ان قوتوں یعنی مغربی شعور اور بعد میں مغرب کی طاقت نے قائم کیا، جو مشرق کو مغربی تعلیمی نظام میں لائی ہیں۔ اگر شرق شناسی کی یہ تعریف زیادہ سیاسی لگتی ہے تو یہ محض اس وجہ سے ہے کہ میرے خیال میں شرق شناسی خود بھی کچھ سیاسی قوتوں اور سرگرمیوں کی پیداوار ہے۔ شرق شناسی ترجمانی کا ایک مکتبِ فکر ہے، جس کا مواد مشرقی تہذیبیں، قومیں اور علاقے ہیں۔ اس کی غیر جانبدارانہ دریافتیں جو ان گنت عالموں کا کام ہے، جنھوں نے قدیم متون کی تدوین کی اور ان کا ترجمہ کیا، گرامر اور لغتیں تیار کیں، مردہ زبانوں کو دوبارہ زندگی دی، مثبت طور پر صاف ستھرا اور صحیح علم پیدا کیا، اس علم کو ہمیشہ سے یہ حقیقت متاثر کرتی ہے۔ اس سے استخراج شدہ صداقتیں ان صداقتوں کی مانند جو زبان سے حاصل ہوتی ہیں زبان کے اندر ہوتی ہیں۔'' (۳۱)

مختلف مباحث کے بعد ایڈورڈ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جدید برطانوی اور فرانسیسی شرق شناسی میں بنیادی فرق 'انداز کار'، مشرق اور مغرب کے درمیان 'امتیازی شعور' اور مشرق پر مغرب کی 'بالا دستی' کے جواز کا ہے۔ آگے چل کر ایڈورڈ سعید اسی ''انداز، مہارت، فراست'' پر توجہ مرکوز کرتے ہیں جو کہ ''شرق شناسی کی دنیاداری'' ہے۔ اس بحث کا آغاز وہ کپلنگ کے 'سفید فام' آدمی اس کے تصور اور اندازِ حیات سے کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں 'سفید اور غیر سفید' دنیاؤں کے درمیان منطقی رویوں نے جنم لیا۔ اسی تناظر میں ایڈورڈ نے نسلوں، تہذیبوں اور زبانوں کے ''امتیازات'' کے مباحث کو سمیٹنے کی سعی کی ہے۔ وہ ان سب کے مابین امتیازات کو ایک بنیادی اور انمٹ صداقت قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ صداقتیں ہیں جو انسانوں کو مختلف خانوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ جن کی بنا پر قومیں، نسلیں اور تہذیبیں اپنی شناخت قائم کرتی ہیں۔ یہی وہ امتیازات تھے جنھوں نے شرق شناسوں کو انسانوں کو ''سامیوں''، ''عربوں'' اور ''ہندوستانیوں'' میں منقسم کر کے جانچنے کا استحقاق بخشا۔ ''جدید برطانوی فرانسیسی شرق شناسی کا بارآور ترین زمانہ'' میں ایڈورڈ سعید کی توجہ کا مرکز ''شرق شناس کی تاریخ'' کا فرق ہے۔ اس فرق کی نشاندہی اس زمانہ سے کی جا سکتی ہے جو کہ پہلی عالمی جنگ سے زرا پہلے اور زرا بعد کا زمانہ تھا۔ اس ضمن میں ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں کہ:

''یہ فرق وہ ہے جو پہلی عالمی جنگ سے زرا پہلے اور زرا بعد کے عرصہ میں نظر آتا ہے۔ دونوں صورتوں میں جیسا کہ سابقہ دور میں تھا، مشرق، مشرقی ہے۔ خواہ مسئلہ خاص نوعیت کا ہو، خواہ انداز خیال اور انداز کار کا ہو اور اس کو واضح کرنے کے طریق کار کا ہو۔ دونوں زیرِ بحث ادوار میں فرق ہی وہ وجہ ہے جو مشرق کی بنیادی اور اصلی مشرقیت کو سمجھنے کے لیے شرق شناس پیش کرتا ہے۔'' (۳۲)

اس حصہ میں ایڈورڈ سعید ''اسلامی شرق شناسی'' کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے خاص طور سے میسگنان، آرباخ اور گب کی تحریروں سے حوالے دیے ہیں۔ زیادہ تر شرق شناسوں نے اسلام سے

بیگانگی کارویہ اختیار کیا جس سے اسلام اور یورپ کے درمیان فاصلے بڑھ گئے۔اس سے تمدنی بحران نے جنم لیا۔اس تمدنی بحران اور بیگانگی کی وجہ سے اسلام کے بارے میں جن خصوصیات کا اظہار ہوا ان سے ایڈورڈ سعید نے یہ نتائج اخذ کیے کہ''گویا اسلام دوسرے انسانی علوم کے مقابلے میں ترقی کے لحاظ سے بہت پیچھے ہے۔اسلام طریق کار اور نظریاتی لحاظ سے پسماندہ ہے اور دوسرے علوم اور تاریخی،معاشی،سماجی اور سیاسی سطحوں پر دنیا میں ترقی کے خلاف اسلام کی مقابلتاً زیادہ مدافعت میں اسلامی (یا سامی) شرق شناسی میں اس آہستہ روی کا احساس بہت پہلے انیسویں صدی کے آخر تک ہوگیا تھا۔''(۳۳)ان سب باتوں نے اسلام اور مشرق کو مغرب والوں کی نظر میں بہت چھوٹی سی حقیقت بنا کر پیش کیا۔ان حالات میں مشرق اپنی نمائندگی کرنے میں ناکام رہا۔شرق شناسی،خاص طور سے اسلامی شرق شناسی کی تفہیم میں میسگنان اور گب کی تحریروں نے اہم کردار ادا کیا۔''دونوں نے یورپی شرق شناسی میں بنیادی اور مجموعی استناد حاصل کرلیا،ان کے بعد شرق شناسی میں نئی حقیقت اور نیا انداز آیا۔''(۳۴)''موجودہ دور'' میں ایڈورڈ سعید اسی نئی حقیقت اور نئے انداز کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں۔

جدید دور میں''نوآبادیاتی نظام'' نے جو نیا لبادہ اوڑھا ہے،جس طرح''عرب'' خاص اہمیت حاصل کر گئے ہیں اور''نوآبادیات'' کا مرکز جس تیزی کے ساتھ بدل گیا اور طاقت،حاکمیت،بالاتری،فرانس اور برطانیہ سے امریکہ منتقل ہو گئے،ان سب حالات اور معاملات کا ایڈورڈ سعید نے بہت باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔امریکہ یا مغرب میں''عرب'' کو جس طرح پیش کیا جا رہا ہے اس سب کی وضاحت،ایڈورڈ سعید نے مثالوں سے کی ہے۔امریکی ذہنیت نے''عربوں کا منفی چہرہ'' تخلیق کرنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے بڑی مہارت سے استعمال کیے۔باقاعدہ منصوبے بنائے گئے۔عربوں کو''خطرے کا نشان'' بنا کر پیش کرنے کے لیے کارٹون شائع کیے گئے۔خاص طور سے ۱۹۷۳ کی جنگ کے بعد''عرب'' کی''یہودی'' دشمنی کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔عربوں کے تیل کے ذخائر کو ان کا''اخلاقی فقدان'' قرار دیا گیا۔دنیا جہان کی اخلاقی گراوٹوں کو عربوں سے جوڑا گیا۔عربوں اور اسلام کے خلاف زہرآلود مواد شائع کیا گیا۔امریکہ نے جو ہتھکنڈے استعمال کیے ان میں سے ایک اور کی نشاندہی کرتے ہوئے ایڈورڈ سعید نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ''امریکہ میں نئے سماجی علوم کے نقطۂ نظر سے مشرق پر توجہ کا حیران کن پہلو یہ ہے کہ اس میں ادب (لٹریچر) کے لیے سرے سے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی تھی۔(۳۵)اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ادب کیونکہ زندگی کی حقیقتوں کی عکاسی کرتا ہے جبکہ امریکہ کا مقصد اعداد وشمار کا بیان تھا۔ایڈورڈ سعید نے جس کمال مہارت کے ساتھ''نوآبادیاتی نظام'' کے مقاصد،اس کی منصوبہ بندیوں،دنیا میں اس کے ارتکاز،بدلتی ہوئی صورتوں،موجودہ صورتحال کو جس طرح بے نقاب کیا اس نے دنیا بھر کے مفکرین،منصوبہ ساز اذہان،ناقدین اور نوآبادیاتی نظام کے شراکت داروں کو چونکا دیا۔اس کتاب کی مخالفت اور حمایت میں گویا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ایڈورڈ سعید خود اس صورتحال کے لیے تیار نہ تھے۔ان کے لیے اس کتاب کی اس قدر پذیرائی اور توجہ کا مرکز بننا باعثِ حیرت تھا۔اشاعت کے کچھ عرصہ بعد ہی اس کتاب کے دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں تراجم کے ایک سلسلے کا آغاز ہوگیا۔

''شرق شناسی، جاپانی، جرمن، پرتگالی، اطالوی، پولستانی، ہسپینی، کاتلان، ترکی، سربوگروشیائی اور سویڈن کی زبان میں شائع ہوئی۔'' (۳۶) دنیا بھر میں اس کے متعدد ایڈیشنز شائع ہوئے۔ اس کو اس موضوع پر ایک امدادی کتاب کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ''شرق شناسی'' کے رائج تصور میں واضح تبدیلی واقع ہوئی۔ اس ضمن میں ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں کہ:

'''شرق شناسی' کا لفظ بذاتِ خود بہت لمبے عرصے تک ایک پیشہ ورانہ اختصاص کے نام تک محدود رہا ہے۔ میں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس کا اطلاق اور اس کا وجود عام ثقافت، ادب، نظریہ حیات اور سماجی اور سیاسی رویوں میں بھی ہے۔ کسی کے بارے میں کہ وہ اہلِ شرق یا مشرق کا باسی ہے، جیسا کہ شرق شناس کہتے تھے، محض اس لیے نہیں تھا کہ یہ نام اس آدمی کو دیا جائے، جس کی زبان، جغرافیہ اور تاریخ میں وہ مواد ہے، جس پر علمی اور عالمانہ مقالات سپردِ قلم کیے جائیں۔ یہ نام دینا اکثر تحقیر آمیز بات تھی، جس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ انسان کی ایک کمتر نسل اور قسم ہے۔۔۔ میری کتاب کا ناخوشگوار اثر یہ ہوا کہ 'شرق شناسی' کا بطور ایک غیر جانبدارانہ اصطلاح کے، استعمال تقریباً ناممکن ہوگیا ہے، یہاں تک کہ اس کا استعمال ایک ناجائز بات ہوگئی ہے۔'' (ش ۳۷)

اس تمام تناظر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ''شرق شناسی'' دنیا کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوئی۔ اس کے دنیا کی سیاست، ادب، سماج، تمدن پر دوررس اثرات مرتب ہوئے ''اس نے 'مشرق' کو 'خود اپنی نظر سے دیکھنے اور سمجھنے کا وسیع شعور بخشا'' (۳۸) ہربنس مکھیا کے ان الفاظ کے ساتھ اس بحث کو سمیٹا جا سکتا ہے کہ:

''انہوں نے اپنی کتاب میں بعض ایسے دوشاخوں (dichotomies) کو چیلنج کیا ہے، جو تاریخ میں عالم گیر سطح پر مصدقہ تاریخی سچائی کے طور پر اپنی جگہ بنا چکے تھے خاص طور پر مغربی اور مشرقی تہذیب کی ڈائی کاٹومی (dichotomy) جہاں مغرب اور مشرق تہذیبوں کے افق پر ایک دوسرے کے مقابل دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک ترقی یافتہ، ہمیشہ فاتحانہ انداز میں آگے بڑھتی ہوئی مغربی تہذیب ہے اور دوسری وہ مشرقی تہذیب جو یا تو جامد ہے یا پھر وہ مغرب کے ساتھ اپنے رابطے کی بدولت طاقت ور ہوتی ہوئی اور منزل بمنزل ترقی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ایڈورڈ سعید نے مغرب اور مشرق کے اسی ضابطے پر کاری ضرب لگاتے ہوئے اس کی اس حیثیت کو للکارا ہے کہ یہ کوئی معروضی سچائی (Objective Truth) ہے۔ وہ اس ڈائی کاٹومی کو جزوی سچائی تک تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔'' (۳۹)

حواشی:

۱۔　Editor. 20 11 2003. 07 01 2017 <https://www.britannica.com/biography/Edward-Said>.

۲۔ Editor. 20 11 2003. 08 01 2017 <https://www.britannica.com/biography/Edward-Said>.

۳۔ سعید،ایڈورڈ۔اوریئنٹلزم(شرق شناسی) ۔مترجم۔محمد عباس۔(اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۵ء)،پیش لفظ

۴۔ انیس الرحمٰن،''ایڈورڈ سعید کا حصہ''،مشمولہ،اردو ادب سہ ماہی،شمارہ ۲۲۳،(۲۰۰۳)

۵۔ سعید،ایڈورڈ۔اوریئنٹلزم(شرق شناسی)۔مترجم۔محمد عباس۔ص۲

۶۔ ایضاً،ص۲

۷۔ ایضاً،ص۳

۸۔ ایضاً،ص۷

۹۔ ایضاً،ص۴۰

۱۰۔ ایضاً،ص۴۶۔۴۷

۱۱۔ ایضاً،ص۵۸

۱۲۔ ایضاً،ص۵۹

۱۳۔ ایضاً،ص۶۷

۱۴۔ ایضاً،ص۶۹

۱۵۔ ایضاً،ص۷۱

۱۶۔ ایضاً،ص۸۳

۱۷۔ ایضاً،ص۸۴

۱۸۔ ایضاً،ص۸۵

۱۹۔ ایضاً،ص۸۸

۲۰۔ ایضاً،ص۱۰۵

۲۱۔ ایضاً،ص۱۰۵

۲۲۔ ایضاً،ص۱۳۵

۲۳۔ ایضاً،ص۱۴۰

۲۴۔ ایضاً،ص۱۴۵

۲۵۔ ایضاً،ص۱۴۶

۲۶۔ ایضاً،ص۱۴۸

۲۷۔ ایضاً،ص۱۶۵

۲۸۔ ایضاً،ص۱۸۶

۲۹۔ ایضاً،ص۱۸۶

۳۰۔ ایضاً،ص۲۱۷

۳۱۔ ایضاً،ص۲۲۱

۳۲۔ ایضاً،ص۲۸۰

۳۳۔ ایضاً،ص۲۸۷

۳۴۔ ایضاً،ص۳۱۳

۳۵۔ ایضاً،ص۳۲۱

۳۶۔ ایضاً،ص۳۷۰

۳۷۔ ایضاً،ص۳۸۳

۳۸۔ خالد جاوید''جلا وطن ذہن کا سفر''،مشمولہ،اردو ادب ،سہ ماہی،شمارہ ۲۲۳،(۲۰۰۳ء)،ص۵۴

۳۹۔ ہربنس مکھیا،''ایڈورڈ سعید(۱۹۳۵۔۲۰۰۳) فلسفی،موسیقار،مجاہد ''،مترجم،اسلم پرویز،اردو ادب،سہ ماہی،شمارہ ۲۲۳،(۲۰۰۳ء)،ص۶۹۔۷۰

مآخذ:

۱۔ خالد جاوید''جلا وطن ذہن کا سفر''،مشمولہ،اردو ادب ،سہ ماہی،شمارہ ۲۲۳،۲۰۰۳ء

۲۔ سعید،ایڈورڈ۔اوریئنٹلزم(شرق شناسی) ۔مترجم۔محمد عباس۔اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۵ء

۳۔ ہربنس مکھیا،''ایڈورڈ سعید(۱۹۳۵۔۲۰۰۳) فلسفی،موسیقار،مجاہد ''،مترجم،اسلم پرویز،اردو ادب،سہ ماہی،شمارہ ۲۲۳،۲۰۰۳ء